کائنات علوم وفنون کے رمز شناس
شاہ عبدالعزیزؒ

پروفیسر ابوبکر عباد

عام خیال ہے کہ اٹھارویں صدی سیاسی زوال کی صدی تھی جس نے اور چیزوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں مذہب اسلام کی اصل ساخت کو بھی کافی حد تک تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔لیکن یہ نصف صداقت ہے پوری سچائی یہ ہے کہ اٹھارویں صدی میں مسلمانوں کے ناگفتہ بہ مذہبی حالات کی ذمہ داری صرف سیاسی تنزلی پر عائد نہیں ہوتی، بلکہ اقتصادی بدحالی، معاشی تنگی، تعلیم سے بیگانگی اور اخلاقی بے راہ روی بھی اس کے اہم اسباب ہیں، جنھوں نے مسلمانوں کے معاشرتی اقدار کو متاثر کیا۔ نتیجے میں فاسد خیالات، زندگی کی لایعنیت کا خوف اور مختلف النوع شکوک وشبہات پیدا ہوئے، نتیجے کے طور پر نت نئے رسوم ورواج اور توہمات کو فروغ ملا۔ایسے حالات میں دین ومذہب کا رنگ، روپ اور اہل دین ومذہب کی نفسیات بدلنا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔اُس زمانے کے حوالے سے مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''اگر شرک و بت پرستی دنیا میں کوئی چیز ہے اور لغت اور عرف شرع میں اس کے کچھ معنی ہیں تو وہ صاف صاف مسلمانوں میں کثرت سے موجود تھی، قبروں اور مردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت بن گئی تھی، جس کے واجبات اور مستحبات میں ان کا سجدہ کرنا، ان سے دعا مانگنا، بوسہ دینا، نذریں اور چادریں چڑھانا، منتیں ماننا، قربانیاں کرنا، طواف کرنا، گانا بجانا، میلہ لگانا، تہوار منانا، چراغاں کرنا اور عورتوں کا جمع ہونا اور مختصر اور صحیح الفاظ میں اس کو قبلہ و کعبہ اور ملجاء و ماویٰ سمجھنا تھا، اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق وہ سب عقاید و خیالات موجود تھے جن کی وجہ سے نصرانی، یہودی اور مشرکین عرب بدنام ہیں، ہندوؤں... کی تمام رسوم مسلمانوں کی معاشرت کا جز بن گئی تھیں اور ان سے کوئی گھر خالی نہ تھا۔'' (سیرت سید احمد شہید، حصہ اول، تیسرا ایڈیشن، لکھنؤ، 1968 ص، 28-27)

یہ تو عوام کی حالت تھی۔ لیکن خواص، بالخصوص طبقۂ علما کی صورت حال بھی کچھ بہتر نہ تھی۔ ڈاکٹر تارا چند اپنی کتاب A Short History of The Indian People میں لکھتے ہیں:

''علماء بھی اسی رنگ میں رنگ گئے جو ہندو تمدن کا ایک ظاہری عکس تھا۔ مسلمان مقبروں اور مزاروں پر حاضری دیتے اور پیدائش، اموات اور شادی بیاہ کے موقعوں پر اسلام کے ظاہری اصولوں کی خلاف ورزی کرتے اور شراب نوشی اور جوئے جیسے رسوم کو اپناتے۔''

(ص، 200-199)

امریکی مصنف لوتھراپ سٹارڈ رڈ نے اپنی بات اس طرح کہی ہے:

''اٹھارویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے ضعف کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔... ہر جگہ جمود و تنزل نمایاں تھا۔آداب و اخلاق قابل نفرت تھے۔فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی اور محض بے روح رسمیات اور مبتذل توہمات کے سوا کچھ نہ رہا تھا۔اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر دنیا میں آتے تو اپنے پیروؤں کے ارتداد پر بیزاری کا اظہار فرماتے۔'' (Dr Lothrop Stoddard,The New World of Islam,pp.20-21)

لیکن مسلمانان ہند کی سیاسی، تعلیمی اور اخلاقی زوال کی اس سفاک اور تاریک صدی میں ایک خوشگوار اور امید افزا واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحیم دہلوی کے فرزند ارجمند حضرت شاہ ولی اللہ محدث نے اسلامی اصول واقدار کی تنزیہ وتطہیر اور قوم وملت میں تعلیمی بیداری اور اخلاقی اصلاح کے لیے ایک تحریک شروع کی۔اہل مدارس اور ہندوستان میں دینی تعلیم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے حضرات اچھی طرح واقف ہیں کہ شاہ ولی اللہ سے پہلے مدارس میں تدریس کا معیار ووقار منطق و فلسفہ،فقہ، اور علم کلام جیسے موضوعات تھے۔ شاہ صاحب نے قران و حدیث کو درسگاہوں کا بنیادی موضوع بنایا اور انھیں دینی تعلیم اور اسلام وایمان کا سرچشمہ بتایا۔ مسلمانان ہند کو مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی درماندگی سے نجات دلانے کے لیے انھوں نے قلمی جہاد اور عملی جدو جہد کیے، کتابیں لکھی، تقریں کیں، مدارس میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دینے کے لیے ہونہار شاگردوں کی جماعتیں تیار کیں اور انھیں علمی، ذہنی اور اخلاقی تربیت سے آراستہ کیا۔

شاہ عبدالعزیز کا پورا نام امام الدین عبدالعزیز ،تاریخی نام غلام حلیم اور لقب سراج الہند ہے۔بچپن میں ان کی عرفیت 'مسیتا' تھی۔'ملفوظات عزیزی' میں اس عرفیت کی وجہ تسمیہ وہ خود لکھتے ہیں:

''بندہ (شاہ عبدالعزیز) کو عورتیں 'مسیتا' کہتی تھیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ میں 25 رمضان کی شب میں سحر کے وقت پیدا ہوا ہوں، چونکہ والدین کے بچے بچتے نہیں تھے اس لیے میری بڑی آرزو تھی۔میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور خدا رسیدہ حضرات مثلاً شاہ محمد عاشق اور مولوی نور محمد وغیرہ اسی مسجد میں معتکف تھے، (ولادت کے بعد) مجھے غسل دے کر مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا۔(گویا مجھے خدا کی نذر کر دیا گیا) ان بزرگوں نے مجھے قبول کر کے خدا کی طرف سے انعام (میں واپس) عطا کیا۔''

(بحوالہ شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب،دوسرا ایڈیشن ،2006 مکتبہ جامعہ،نئی دہلی،ص،63-64)

شاہ عبدالعزیز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ سے حاصل کی اور بعض کتب احادیث کی سند اپنے والد کے جلیل القدر تلامذہ شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ امین اللہ کشمیری سے لی۔انھوں نے کم عمری میں قران حفظ کر لیا تھا اور تیرہ برس کی عمر میں علوم رسمیہ سے فارغ ہو گئے تھے۔اس عرصے میں انھوں نے صرف و نحو، فقہ، اصول فقہ، کلام، عقائد، ہندسہ، ہیئت، منطق اور فلسفہ وغیرہ جیسے علوم میں مہارت حاصل کر لی تھی۔وہ عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے، اور عبرانی زبان سے بھی واقف تھے۔تاریخ اور جغرافیائی معلومات میں انھیں ملکہ

حاصل تھا۔ دوسری تحریروں کے علاوہ اس کا ایک ثبوت سوڈان کے حالات وواقعات پر لکھا ہوا ان کا معلومات افزا قصیدہ بھی ہے۔ شاہ صاحب کے اہم وقائع نگار عبدالقادر رام پوری (وفات؛1949) اپنی اہم تصنیف ''علم وعمل'' میں لکھتے ہیں کہ:

''مولوی شاہ عبدالعزیز علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرہ آفاق تھے۔ اور ہیئت، ہندسہ، جر ثقیل، منطق، مناظرہ، طبیعات، الٰہیات، قیافہ، تاویل اور تطبیق میں یکتائے زمانہ تھے۔ فن ادب اور ہر طرح کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔''

(علم وعمل، جلد اول، کراچی، 1960، ص، 246)

شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد کی مسند تدریس پر متمکن ہوتے ہی درس وتدریس، دعوت وارشاد، پند وموعظت، افتا، تصنیف وتالیف اور شاگردوں کی اعلیٰ پیمانے پر تربیت کو اپنا شعار بنالیا۔ جب انگریزی حکومت نے علامہ تفضّل حسین کے ذریعے آپ کو کلکتے کے مدرسہ عالیہ کی صدارت کی پیش کش کی، تب بھی آپ نے اسے قبول کرنے بجائے دہلی میں رہ کر ہی ولی اللہی مشن کی ترویج وتبلیغ، عوام الناس کی تعلیم وتربیت اور مسلم معاشرے کی اصلاح کو ترجیح دی۔ یوں انھوں نے انگریز کی ملازمت کو رد کر کے اپنے والد کی اخلاقی، تعلیمی، سیاسی اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لائحہ عمل کو جاری رکھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شاہ عبدالعزیز جلیل القدر عالم دین تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بے حد کشادہ ذہن اور حد درجہ روشن خیال بھی تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو صرف دینی علوم تک محدود نہیں رکھا، بلکہ بعض روایتوں کے مطابق انھوں نے تقریباً ایک سو پچاس علوم حاصل کیے تھے۔ (شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص 566) وہ ہندوؤں کے اوتاروں کے بارے میں کشادہ نظریہ رکھتے تھے، فن موسیقی کی

علمی جہتوں سے بھی واقف تھے۔ملفوظات عزیزیہ سے منقول یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''حسب دستور شاہ صاحب (شاہ عبدالعزیز) پیادہ پا ٹہلتے ہوئے جارہے تھے۔ کسی مکان سے گانے کی آواز آرہی تھی، فرمایا 'دھناسری' ہے۔(یہ ہندی راگ کی کوئی قسم ہے) آگے ایمن ملتانی وغیرہ راگوں اور گیتوں کا ذکر فرماتے جارہے تھے اور آخر میں ارشاد ہوا کہ:''.....(ترجمہ) پچھلے دنوں مجھے اس فن (فن موسیقی) میں بڑا دخل تھا چنانچے اس فن کے نامور لوگ اس فن کی تحقیق کے لیے میرے پاس آتے تھے۔لیکن اب میں نے اس سلسلہ کو موقوف کردیا ہے مگر پھر بھی لوگ میرے پاس آتے ہیں۔''(تذکرہ شاہ ولی اللہ، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، دیوبند، 2005، ص، 164)

حضرت شاہ عبدالعزیز سرسید علیہ الرحمہ سے برسوں پہلے جدید تعلیم کے حامی تھے، چنانچہ جب کلکتے میں کالج قائم ہوا تو انھوں نے مسلمانوں کو نئے علوم حاصل کرنے کی عام اجازت دی اور اس شرط کے ساتھ انگریزوں کی ملازمت کو بھی جائز قرار دیا کہ تفویض شدہ فرائض معاشرے کے لیے مفید ہوں۔انھوں نے انگریزوں کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے لیے روہیل کھنڈ، دوآبہ، اودھ اور بہار میں مراکز قائم کیے اور رضا کاروں کی بھرتی اور سرمایہ اکٹھا کرنے کے لیے مہم چلائی۔اور کون نہیں جانتا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد بریلویؒ کی روحانی اور عسکری تربیت میں ان کی نگہ حق پرست کارفرما تھی۔

شاہ عبدالعزیز نامور مدرس، مصنف، خطیب، واعظ، شیخ طریقت، فقیہ، محدث، مفسر، عارف کامل اور مرجع علماء ومشائخ تو تھے ہی، قدرت نے انھیں عربی،

فارسی اوراردوشعروادب کا بھی بہت ہی رچا ہوا ذوق بخشا تھا۔عرب شعرا کے کلام سے انھیں دلچسپی تھی اورعربی انشاپردازی پر زبردست قدرت رکھتے تھے۔ان کی عربی نثر ونظم فصاحت وبلاغت کے عمدہ نمونے ہیں۔کہاجاتا ہے کہ اردو،عربی اور فارسی کے ستّر ہزار اشعار انھیں زبانی یاد تھے اورطبیعت موزوں ہوتی تو خود بھی اشعار کہتے تھے۔انھوں نے شیخ احمد بن محمد انصاری الیمنی الشروانی کی کتاب 'مناقب حیدریہ' کی عربی زبان میں جوتقریظ تحریر کی ہے،اس میں اپنے کئی اشعار نقل کیے ہیں۔شاہجہان آباد کی تعریف میں انھوں نے عمدہ قصائد لکھے ہیں۔سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں انھوں نے کئی ایک قصیدے کہے ہیں جن میں قصیدہ میمیہ کافی مشہور ہے۔ اپنے چچا شاہ اہل اللہ کے نام انھوں نے عربی میں جوخطوط لکھے ہیں ان میں بہت سے خطوط منظوم ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کے عہد میں اردو زبان خاصی مقبول ومعروف ہوچکی تھی۔اسی زمانے میں شاہ عبدالقادر نے قران پاک کا اردوزبان میں تحت اللفظ اردو ترجمہ کیا تھا۔اس دور کے نامور شعرا خان آرزوؔ،سوداؔ،میرؔ،مظہرؔ اور دردؔ وغیرہ کے نزدیک شاہ صاحب نہایت عزت ووقار کا مقام رکھتے تھے۔شاہ عبدالعزیز اورآپ کے بھائی شاہ عبدالقادر اپنے والد شاہ ولی اللہ کی ترغیب پر اردوزبان سیکھنے کے لیے خواجہ میر دردؔ کی خدمت میں جایا کرتے تھے اوران کی مجلس میں بیٹھ کر اردومحاورات پوری توجہ سے سنتے تھے۔اردو کے مشہور صوفی شاعر خواجہ میر دردؔ کے صاحبزادے سید ناصر نذیر فراق کی کتاب سے یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کے حکم کے بموجب اردو زبان سیکھنے کے لیے خواجہ میر درد صاحب کی خدمت میں چھٹپن میں

حاضر ہوتے تھے اور چپ چاپ بیٹھے ہوئے آپ کی تقریر کو سنا کرتے تھے اور محاورات کو دل ہی دل میں چنا کرتے تھے۔ مولانا ولی اللہ صاحب اپنے بچوں سے کہا کرتے تھے، 'جس طرح اصول حدیث اور اصول فقہ فن ہیں اسی طرح اصول زبان بھی فن ہے، اور اردو زبان کے موجد اور مجتہد خواجہ میر درد صاحب ہیں، آپ کی صحبت کو اس فن کے واسطے غنیمت سمجھو کیونکہ خواجہ صاحب پکے پان ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب خاص طور پر میر درد صاحب کے شاگرد تھے۔'' (سید ناصر نذیر فراقؔ، لال قلعہ کی ایک جھلک، بسعی واہتمام، شاہد احمد بی۔اے، ایڈیٹر ساقی، دہلی، ص، 63)

گو کہ شاہ عبدالعزیز نے اردو زبان میں کوئی رسالہ تحریر نہیں فرمایا، لیکن عوامی جلسوں میں وہ وعظ و نصیحت اور تقریر اردو زبان میں ہی کرتے تھے۔ اپنے دور کے اردو زبان اور شعر و ادب پر وہ بہت اچھی اور گہری نگاہ رکھتے تھے۔ اس عہد کے شعرا شاہ صاحب کی اردو زبان، روزمرہ، محاورے اور ان کے شعر و ادب کے رچے ہوئے ذوق کے قائل تھے۔ ناصر نذیر فراق یہ بھی لکھتے ہیں کہ: شاہ نصیر اکبر ثانی، بہادر شاہ ظفر اور شیخ محمد ابراہیم ذوق کے استاذ تھے۔ ایک بار وہ ذوق سے کسی بات پر ناراض ہو گئے اور انھیں اصلاح دینی بند کر دی تو ''ذوق ہر جمعہ کو شاہ عبدالعزیز صاحب کے وعظ میں جانے لگے اور وعظ بہت غور سے سننے لگے۔ کسی دوست نے اس کا سبب پوچھا تو ذوق نے کہا ''استاد مجھ گنہ گار سے ناخوش ہو گئے۔ شعر و سخن میں اصلاح ملتی نہیں، اس کا بدل میں نے یہ نکالا ہے۔ کیونکہ مولانا عبدالعزیز صاحب اردو زبان دانی میں شاہ نصیر صاحب سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ ان کے بیان اور گفتگو کو سنتا ہوں

اور اردو کے محاورے روازمرہ یاد کرتا ہوں۔'' (ایضاً ص،63) اس دور کے بڑے بڑے اردو داں اور شعرا وفصحا اپنے کلام کی اصلاح کے لیے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

ان مختلف زبانوں اور علوم میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ گھوڑ سواری، تیر اندازی اور موسیقی میں بھی یگانۂ روزگار تھے۔ سید عبدالحی لکھنوی 'نزہۃ الخواطر' میں آپ کے اس فن کے بارے میں لکھتے ہیں: 'وکانت لہ مہارۃ فی الرمی والفروسیہ والموسیقی ۔یعنی وہ تیر اندازی، گھوڑسواری اور علم موسیقی میں مہارت رکھتے تھے (نزہۃ الخواطر، جلد، 7 ص،269)۔شاہ صاحب کے مشہور سوانح نگار عضدالدین کی تحقیق کے مطابق شاہ صاحب کی ایک تصنیف 'سنگیت شاستر' رضا لائبریری رام پور میں دستیاب ہوئی ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں سولہ صفحات اور تین ابواب پر مشتمل ہے۔ (ظاہر ہے یہ امر ابھی مزید تحقیق طلب ہے۔ واللہ اعلم)۔ کہنا چاہیے کہ آپ کو موسیقی کا علم دوسرے علوم وفنون کی طرح اپنے والد بزرگوار سے وراثتاً ملا تھا۔ شاہ ولی اللہ کی علم موسیقی میں دلچسپی کا اندازہ ان کی تصنیف ''الفوز الکبیر'' سے ہوتا ہے۔ جس میں انھوں نے یونانیوں کے گانے کے قواعد اور طریقے بھی بیان کیے ہیں اور اہل ہند کے مختلف راگوں سے اخذ کردہ راگ اور راگنیوں کا تذکرہ بھی خاص انداز میں کرتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز علوم کی تحقیقات اور مذکرات ومباحث کے حوالے سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے انتھک کوششوں سے مسلمانان ہند میں اصلاحی روح پھونکی اور انقلاب عظیم پیدا کیا۔ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کا عہد مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا زمانہ اور مغل حکمرانوں کی طوائف الملو کی

کا عروج تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں احمد شاہ، عالمگیر ثانی، شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی چار بادشاہوں کی حکومتیں دیکھی تھیں، اور وہ بھی اس طرح کہ ان کے بچپن میں شاہ عالم کو اندھا کر کے قید میں ڈال دیا گیا تھا، عالمگیر ثانی کو قتل کر کے ان لاش جمنا کے کنارے پھینک دی گئی تھی، اکبر شاہ ثانی عرصے تک پورب میں مارا مارا پھرتا رہا تھا، پھر انگریزوں کی شرائط پر دہلی کے تخت پر بیٹھا مگر حسرت و یاس کی تصویر بنا رہا اور بالآخر اسے بھی بینائی سے محروم ہونا پڑا۔

اس زمانے کی تاریخ اور ادب کی کتابوں کے مطالعے سے یہ علم بھی ہوتا ہے کہ ملک کے سیاسی، معاشی، اقتصادی، معاشرتی اور مذہبی حالات بد سے بدتر تھے۔ شاہ و سپاہ، علماء و عوام اور صوفی و زاہد ہر کوئی بے عملی کا شکار تھے۔ یہ سب کے سب حقائق و واقعات سے نظریں بچاتے اور فرار کی راہ اختیار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مذہب کے حوالے سے بدعت، تفضیلیت، یہودیت اور برہمنیت کا ایک اندوہناک سیلاب تھا جو قصر اسلام کی مضبوط دیواروں میں رخنے ڈالتا جا رہا تھا اور علماء حضرت موسیٰؑ کے مصاحبوں کی مانند اصل احکام کی بجا آوری کے بجائے جرح و تعدیل میں الجھے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں تنہا شاہ عبدالعزیز تھے جنھوں نے اپنے علم و دانش اور حسن تدبر سے اس سیلاب بلا کو روکا اور رفع کیا۔ انھوں نے قصر اسلام کی حفاظت کے دوررس منصوبے باندھے اور عملی تدابیر کیے۔ اس حوالے سے انھوں نے اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمی اور اصلاحی تحریک کا دائرہ مزید وسیع کیا اور عمل کی رفتار میں تیزی اور شدت پیدا کی، ہونہار اور صاحب استعداد شاگردوں کی جماعت تیار کی، قرآن و حدیث کی تعلیم کو قریہ قریہ پہنچانے کا انتظام کیا، غلط رسوم و روج اور باطل نظریات کی تردید کے لیے کتب و رسائل لکھے اور وعظ و تقریر کا سہارا لیا۔

آپ کے اور آپ کے خاندان کے علمی اور انقلابی کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کا ہے۔جس میں شاہ رفیع الدین کے لفظی ترجمے اور شاہ عبدالقادر کے بامحاورہ ترجمے اور توضیح کے بعد شاہ عبدالعزیز کی تفسیر نے قران فہمی کو عام اور اس کے اسرار رموز کو آشکار کیا۔مفتی محمد ظفیر الدینؒ صاحب کے مضمون ''امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ'' سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''قرآن کا ترجمہ اُس وقت اِس ملک میں عام ہوا جب آپ نے (شاہ ولی اللہؒ نے) فارسی میں اس کا ترجمہ کیا اور ساتھ ہی اعلان فرمایا کہ شروع زندگی ہی سے قرآن کا ترجمہ طلبہ اور نوجوانوں کو پڑھانا چاہیے۔پھر آپ کے فرزند ارجمند شاہ رفیع الدین نے اردو میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔اور وہ عوام وخواص میں مقبول ہوا۔پھر ترجمہ کے ساتھ قرآن پاک کی مختصر تفسیر آپ کے دوسرے فرزند ارجمند شاہ عبدالقادر صاحب نے اردو زبان میں لکھ کر شائع کی،اور سچ پوچھیے تو خاندان ولی اللہی کے صدقہ ہی میں قرآن مقدس کے ترجمہ وتفسیر کو مقبولیت حاصل ہوئی ، گھر گھر قرآن کا ترجمہ پڑھا جانے لگا اور لوگوں میں قران فہمی کا ذوق وشوق پیدا ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے چند پاروں کی فارسی زبان میں تفسیر لکھی اور عجیب وغریب نکات بیان کیے۔اس تفسیر سے اہل علم میں تفسیر قرآن کے ذوق وشوق نے کروٹ لی۔...اس زمانہ کے کچھ بدعتی پیروں نے قرآن کی اس خدمت کو سراہا نہیں بلکہ پبلک میں اس کے

خلاف جوش و جذبہ کو ابھارا، کہ اب قرآن کو ہر ایک سمجھنے لگے گا۔اور قرآن کی وہ قدر باقی نہیں رہے گی جو اَب تک چلی آرہی تھی۔ان بدعتی پیروں کا وہی نظریہ تھا جو پنڈتوں نے ہندو مذہبی کتابوں کے کے پڑھنے کے سلسلہ میں پھیلا رکھا تھا کہ یہ صرف برہمنوں اور پنڈتوں کے پڑھنے کی چیز ہے،شودروں اور چھوٹی ذاتوں کو پڑھنے کا حق نہیں ہے۔'' (امام شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار ونظریات،مرتب مولانا عطاء الرحمان قاسمی، دہلی،2004ص،60)

شاہ عبدالعزیز کی تعلیمی،تبلیغی،اصلاحی،اجتہادی،علمی اور ادبی خدمات اور صلاحیتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ان کی چند اہم تصانیف کا ذکر ضروری ہے،جن تصانیف نے اُس عہد کی مذہبی بے گانگی،تعلیم ناشناسی، اخلاقی بے راہ روی،مسلکی تنازعہ اور ادبی بے بہرگی کو دور کیا۔اصل تعلیم اور توہمات کے فرق کو واضح کیا،مذہب کی روح اور رسومات میں امتیاز کرنا سکھایا اور اور جس نے ذہنی بالیدگی اور علمی آسودگی کا سامان بہم پہونچایا۔

۱۔ '**تفسیر فتح العزیز**':یہ قرآن کریم کی اب تک کی انوکھی اور جدید نوعیت کی تفسیر ہے۔مستند روایت کے مطابق یہ مکمل قرآن کی نہیں صرف سوا تین سیپاروں کی تفسیر ہے،جس میں ابتدائی سوا سیپارے سے کچھ زائد اور آخر کے دو سیپارے شامل ہیں۔اس میں تفسیری رموز خوبصورت اسلوب اور نئے انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ نظم قرانی اور تفسیری نکات کی بنا پر اس کا ایک خاص مقام ہے۔

۲۔ '**عجالہ نافعہ**': یہ فارسی زبان میں تحریر کیا ہوا اصول حدیث سے متعلق رسالہ ہے۔اس میں مصطلحات حدیث،حدیث کی اقسام ومراتب،استناد کے پیمانے

اوراس کی تنقید کے اصول وقواعد بیان کیے گئے ہیں۔اس رسالے کا عربی ترجمہ حافظ عبدالرشید بن عبدالعزیز اور اردو ترجمہ محمد عبدالحلیم چشتی نے کیا ہے۔

۳۔ 'بستان المحدثین': اس کتاب کا موضوع تذکرہ/تاریخ ہے۔اس میں عالم اسلام کے محدثین ومولفین کے تاریخی حالات بیان کیے گئے ہیں اوران کی کتب احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔اس کتاب کے مطالعے سے ان کے تحقیقی مزاج کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔شاہ صاحب نے اس میں یہ التزام کیا ہے کہ محدثین کے احوال تحریر کرتے ہوئے ان کے حلیے، عادات واطوار،ان کی علمی اور دینی خدمات کو بھی بیان کیا ہے۔ان کی تصانیف کی اہمیت کو واضح کیا ہے،ان کے شاگردوں کے مختصر حالات لکھے ہیں،محدث نے اگر کچھ اشعار کہے ہیں تو اس کے نمونے اور مصنف اوراس کی تصنیف کی مدح میں کہے گئے اشعار نقل کیے ہیں اور مصنف کی کتاب کے مختلف نسخوں کے بارے میں معلومات کی بھی تفصیل جمع کردی ہے۔اس کتاب کا اردو ترجمہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ اور علامہ انور شاہ کشمیری کے ہم عصر مولانا عبدالسمیع نے کیا ہے۔

٤۔ 'فتاویٰ عزیزی': اس کتاب میں شاہ صاحب کے فتاویٰ اوران کے چند رسائل شامل ہیں۔اسے تبحر علمی کی تلخیص اور دینی معلومات کا بیش بہا خزانہ کہا جائے تو بجا ہے۔فقہ، عقائد،تفسیر، تصوف ، کلام اور عجیب وغریب سوالات کے تحقیقی جوابات اس کتاب کی خصوصیت ہے۔کتاب دو جلدوں میں ہے۔پہلی جلد میں تصوف کے عنوان کے تحت سہروردیہ، قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ سلسلوں کی بنیاد کی تحقیقی وضاحت کی گئی ہے،اور فقہ کے موضوع کے تحت بہت سے دینی مسائل اور اُس عہد کے رائج رسوم ورواج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔دوسری جلد میں باب احادیث کے

تحت احادیث کی کتابوں، اسمائے رجال، واقعہ معراج اور اصحاف کہف وغیرہ کے علاوہ ترکوں کی بعض انوکھی رسوم، علم ہیئت کے حوالے سے بارہ برجوں کی وجہ تسمیہ، زلزلہ، ابر، برق اور دیوار قہقہہ کی حقیقت جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ اسی جلد میں عقائد کے عنوان کے تحت خدا کے دیدار کی نوعیت، میزان عدل اور پُل صراط کی حقیقت اور ابلیس سے سوال و جواب جیسے مسائل کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

۵۔ 'تحفہ اثنا عشریہ': اس کتاب کے بارے میں عام خیال ہے کہ یہ شیعیت کے رد اور اس کے عقائد کے بطلان میں لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ خیال درست نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے اس کتاب میں اُس عہد کے حالات، شیعہ سنی اختلافات اور اس کے اسباب کو پیش نظر رکھتے ہوئے شیعوں کے مختلف فرقوں کو ان کے اسلاف کی صحیح تاریخ سے روشناس کرایا ہے تاکہ صحیح صورت حال واضح ہو جائے۔ اس میں شیعہ عقائد اور مختلف فرقوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے انہی کی مستند کتابوں سے شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔ اس کے تعلق سے شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

> ''تحفہ اثناء عشریہ فی الحقیقت ایک عہد آفریں کتاب ہے۔ اور شاہ عبدالعزیز نے اس کی تالیف میں بے حد محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔۔ اس سے پہلے بھی مختلف شیعہ سنی مسائل پر کتابیں تصنیف ہوئیں۔ خود شاہ ولی اللہ صاحب نے 'قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین'، 'ازالۃ الخفلفاء اور بعض رسائل میں ان مسائل سے بحث کی تھی لیکن ایسی جامع و مانع کتاب کوئی نہ تھی۔ فی الحقیقت تحفہ اثنا عشریہ شیعہ سنی مسائل کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔۔۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ روایات و بیانات کے بیان میں فقط مستند اور معتبر شیعہ کتب پر

انحصار کیا گیا ہے اور تواریخ وتفسیر میں سے فقط ان ہی چیزوں کو چنا ہے جن پر شیعہ سنی دونوں فریقین متفق ہیں۔ کتاب کی زبان طرز بیان بھی متین اور مہذبانہ ہے''۔ (رود کوثر، لاہور، 1958ص،72-571)

یہ ثبوت بھی ہے کہ اس کتاب میں شاہ صاحب کے بدخواہوں نے ان کی دوسری کتابوں کی طرح اس میں بھی کئی تحریفیں کر دی تھیں۔ اس کے جواب اور ردالجواب میں بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں ہیں۔

٦۔ **'سر الجلیل فی مسئلة التفضیل'**: اس کتاب کو 'تحفۂ اثناعشریہ' کی اگلی کڑی سمجھنا چاہیے۔ اس میں شاہ صاحب نے وہ احادیث جمع کی ہیں جو ائمہ اربعہ کے فضائل میں مروی ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں دلائل عقلی ونقلی سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی چیز کسی چیز سے یا کوئی انسان کسی دوسرے انسان سے کن بنا پر افضل ہے۔ چنانچے اس کتاب میں انبیاء کی فضیلت، صحابہ کرام کی فضیلت، فرشتوں کی فضیلت ،حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی فضیلت، حضرت اسماعیلؑ کے دنبے کی فضیلت، مساجد کی فضیلت، حجر اسود کی فضیلت اور ارکان نماز کے سجدے کی فضیلت وغیرہ کے دلائل پیش کیے گئے ہیں اس کے علاوہ فضیلت کی قسموں سے بھی بحث اور اس کی تعیین کی گئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مفتی محمد شفیع صاحب نے کیا ہے۔

٧۔ **'وسیلة النجات'**: موضوع کے اعتبار سے یہ رسالہ بھی تحفہ اثناعشریہ اور 'سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل' کے زمرہ میں آتا ہے۔ اسے شاہ صاحب نے اپنے کسی شناسا کی فرمائش پر تحریر کیا تھا۔ شاہ صاحب نے رسالے کے آغاز میں بزبان فارسی اس کی تالیف کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان کے ایک شیعہ واقف کار نے درخواست

کی تھی کہ فرقہ ناجیہ کی حقیقت کے بارے میں کچھ دلائل تحریر فرمادیں، چنانچے انھوں نے 'الدین النصیحۃ' کے مطابق اس کی تصنیف کی اور اس کا نام 'وسیلۃ النجات' رکھا۔اس میں شیعہ سنی مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور قرآنی نصوص کو بنیاد بنا کر صحابۂ کرام کے مرتبت کو بڑے ہی موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، اور اہل سنت کو فرقۂ ناجیہ ثابت کیا گیا ہے۔اس کا اردو ترجمہ مولوی حکیم عبدالغفور نے کیا ہے۔

۸۔ '**ملفوظات شاہ عبدالعزیز**' : یہ کتاب دراصل شاہ صاحب کے اُن اقوال وارشادات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے شاگردوں، مریدوں اور مجلس میں شریک ہونے والوں کے سوالوں کے جواب میں فرمائے تھے۔اس میں تاریخی واقعات، علمی بیانات، تحقیقی نکات، رموز طریقت اور کچھ مسائل احکامات سے متعلق بیانات ہیں۔ ہندوستان میں اس کا اردو ترجمہ مولوی عظمت الٰہی بن مولوی محمد ہاشم نے کیا تھا جو 1897 میں میرٹھ سے شائع ہوا، اور پاکستان میں اس کا ترجمہ مولوی محمد علی قریشی لطفی اور مفتی انتظام اللہ شہابی نے کیا ہے جو 1940 میں شائع ہوا۔

۹۔ '**عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس**' : عربی زبان میں لکھا ہوا یہ مختصر سا رسالہ ہے جس میں شاہ صاحب نے خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور اہل بیت پر محتوی احادیث کو درج کیا ہے۔اور خلفائے اربعہ میں سے ہر ایک کے مناقب وفضائل کے حوالے سے الگ الگ حدیثیں جمع کی ہیں۔اس عربی رسالے کا فاری ترجمہ شاہ صاحب کے شاگرد عزیز مرزا احسن علی لکھنوی نے کیا تھا اور بعد میں اردو ترجمہ مولوی نظام الدین کیرانوی نے کیا۔

۱۰: '**سر الشہادتین**' : عربی کے اس مختصر سے رسالے میں نواسۂ رسول

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے فضائل بیان کیے ہیں اور ان کی شہادتوں کے دردانگیز واقعات انتہائی موثر انداز میں تحریر فرمایا ہے۔اس میں واقعہ کربلا اور شہادت حسینؓ کی مبالغہ آرائی سے بچتے ہوئے مستند واقعات بیان کیے گئے ہیں اور اصل حقائق کی وضاحت کی گئی ہے۔رسالے کے آغاز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ خوبیاں اور کمالات بیان کیے گئے ہیں۔میدان جنگ میں حضور اکرم کو شہادت کا درجہ نہ ملنے کی یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اس طرح دین اسلام شکستہ اور ناکارہ کہلاتا۔ اس رسالے کے متعدد ترجمے ہو چکے ہیں۔اردو ترجمہ مفتی سید طیب آغا صاحب نے کیا ہے۔

۱۱۔ 'میزان البلاغہ': شاہ صاحب نے گیارہ ابواب پر مشتمل یہ رسالہ فن بلاغت پر تحریر کیا تھا جسے بعد میں حواشی وتعلیقات کے اضافے کے ساتھ قاضی محمد بشیر الدین نے 'العجالۃ النافعۃ والعلالۃ الرائعۃ المسمیٰ بہ میزان البلاغت' کے نام سے 1313 ھج میں مکتبہ مجتبائی میرٹھ سے شائع کیا تھا۔اس کے علاوہ شاہ صاحب نے اور بھی متنوع موضوعات پر متعدد رسائل تحریر فرمائے مثلاً میزان المنطق، میزان الکلام، نظام العقائد، اعجاز البلاغت، رسالہ فی الانساب، التضمین علیٰ قصائد وقطعات ابیہ اور 'شرح علیٰ قصیدۃ البردۃ' وغیرہ۔یہ تمام تصانیف ان کے علمی، ادبی اور تحقیقی و تنقیدی ذوق ومزاج کی شہادت دیتے ہیں۔اور مختلف علوم وفنون میں ان کا منصب و مرتبہ قائم کرتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں تھی جنھوں نے ولی اللہی مشن کو آگے بڑھانے اور اس کے استحکام و استقامت میں نمایاں کردار ادا کیے۔ ہندوستان میں جتنے علما ہیں ان کا علمی سلسلہ حضرت شاہ عبدلعزیز کے واسطے

سے ہی حضرت ولی اللہ تک پہنچتا ہے۔ان کے فتاویٰ کی جلدوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک اور بیرون ملک سے زبانی اور تحریری سوالات کرنے والے کس تسلسل اور کثرت سے آپ کے رابطے میں تھے۔آپ کے شاگردوں میں سے چند مشہور ہستیوں کے نام یہ ہیں: آپ کے بھائی شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی، آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب۔آپ کے بھتیجے شاہ محمد اسماعیل اور شاہ مخصوس اللہ ہیں۔ان کے علاوہ مفتی صدرالدین آزردہ، سید احمد شہید، مولانا فضل الحق خیرآبادی، مولانا رشیدالدین دہلوی، قاضی ثناءاللہ پانی پتی، سید اولاد حسن قنوجی، مولوی حیدرعلی رام پوری، مولانا شاہ سید آل رسول برکاتی مارہروی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اور مولانا شاہ ظہورالحق قادری پھلواروی وغیرہ۔ یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے اپنے علم وفضل سے ایک دنیا کو فیضیاب کیا، مذہب اسلام کی صحیح ترجمانی کی، تعلیم کو عام کیا اور شاہ صاحب کی علمی، مذہبی اور اصلاحی مشن کو آگے بڑھانے میں اپنی زندگیاں وقف کیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کا 78 سال کی عمر انتقال ہوا۔ انتقال سے پہلے وارثوں میں اپنے حصے تقسیم کیے، معرفت الٰہی سے شرابور عربی اور فارسی کے چند اشعار پڑھے، اپنی تجہیز وتکفین کے تعلق سے چند ہدایتیں دیں اور ذکر وعبادت میں مشغول ہوگئے۔یوں 5 جون 1824 کو فجر کی نماز کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔مومن خاں مومن نے تاریخ وفات کہی ہے:

دست بیداد اجل سے بے سروپا ہوگئے
فقر دیں فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

☆☆☆